

SURENDRANATH COLLEGE, KOLKATA

سریندر ناتھ کالج ، کولکتہ

B.A. GENERAL

بی۔ اے۔ جنرل

SEMESTER - IV

URDG-G-LCC (2)

STUDY MATERIAL - 07

DR. BILQUIS BEGUM

Head Of Department, Urdu

SURENDRANATH COLLEGE, KOLKATA.

ڈاکٹر بلقیس بیگم

صدر شعبہ اردو

سریندر ناتھ کالج، کولکتہ

جدید افسانہ کا پس منظر

بیسویں صدی کا چوتھا عشرہ اقتصادی بد حالی، کساد بازاری اور بیکاری کا دور تھا۔ اس دور میں انگارے کی اشاعت نے اردو افسانے کو ایک نیا موڑ دیا۔

اردو ادب کی تاریخ میں شاید ہی کوئی دوسری کتاب ہنگامہ خیزی کے اعتبار سے ”انگارے“ کے مقابل رکھی جاسکے۔ کتاب شائع ہوتے ہی سارے ملک میں اس کے خلاف طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ تقریباً سارے رسائل و جرائد اور چھوٹے بڑے تمام روزناموں نے اس کی مذمت میں ادارے لکھے اور مضامین شائع کئے گئے۔

انگارے کی اشاعت دسمبر ۱۹۳۲ء میں لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ (اردو میں افسانہ نگاری کے رجحانات ڈاکٹر فردوس انور قاضی) کتاب اور اس کے تخلیق کاروں کے خلاف منبروں کو پلیٹ فارم کی طرح استعمال کیا گیا۔ صوبہ جات متحدہ کی اسمبلی میں اس پر سوالات اٹھائے گئے اور کتاب کی ضبطی کے مطالبے کئے گئے۔ کتابچے اور کھیل شائع کئے گئے جن میں مصنفین کو ہدف ملامت بنایا گیا۔ قانونی چارہ جوئی کر کے سزا دلانے کے سلسلے میں مقدموں کے لئے فنڈ جمع کئے گئے۔ مصنفین کو سنگسار کرنے اور پھانسی پر لٹکانے تک کی مانگ کی گئی۔

آخر کار حکومت صوبہ جات نے ۱۵ مارچ ۱۹۳۳ء کو تعزیرات ہند کے تحت کتاب کی ضبطی کا حکم دی دیا۔ جس میں کہا گیا کہ اس کتاب کے ذریعے ایک طبقے کے مذہب اور مذہبی عقائد کی توہین کر کے مذہبی جذبات کو مشتعل اور برا بیچنے کیا گیا ہے۔ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ۱۹۳۶ء میں قائم ہونے والی انجمن ترقی پسند مصنفین کی اصل بنیاد ”انگارے“ کی اشاعت کے ساتھ ۱۹۳۲ء میں رکھی گئی تھی۔

”انگارے“ میں کل دس کہانیاں ہیں سجاد ظہیر کی پانچ

(۱) نیند آتی نہیں

(۲) پھر یہ ہنگامہ

(۳) گرمیوں کی رات

(۴) دلاری

(۵) جنت کی بشارت

احمد علی کی دو

(۲) مہاوٹوں کی رات

(۱) بادل نہیں آتے

رشید جہاں کی دو

(۱) ”دلی کی سیر“

(۲) ڈرامہ ”پردے کے پیچھے“

محمود الظفر کی ایک کہانی ”جو انمردی“

۱۹۳۶ء کی ترقی پسند تحریک نے افسانے کو تخیل اور تصور کی رنگین دنیا سے باہر نکالا اور اپنے افسانوں میں سماجی الجھنوں، معاشی تلخیوں اور سیاسی نوعیت کے مختلف پہلوؤں کی بے لاگ مصوری کے علاوہ اجتماعی زندگی کے تمام مسائل کا ذکر آزادی اور بے باکی سے کیا۔ غلامی، افلاس، جہالت، بھوک، بیماری، توہم پرستی، طبقاتی جنگ، متوسط طبقے کی کھوکھلی نمائش پسندی، کسانوں کی معاشی لوٹ کھسوٹ، جذباتی اور نفسیاتی الجھنیں، الغرض اس طرح کے بے شمار مسائل اردو افسانے کا موضوع بن گئے۔ یہی وہ ادیب تھے جنہوں نے ”کفن“ کے خالق پریم چند کی روایت کو آگے بڑھایا۔

ان افسانہ نگاروں میں کرشن چندر، حیات اللہ انصاری، احمد ندیم قاسمی، اختر حسین رائے پوری، اپندر ناتھ اشک، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی اور سعادت حسن منٹو خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہیں۔ ان میں ہر ادیب کے افسانے پر اس کی شخصیت کی چھاپ ہے۔ یہ ادیب آزادی کے بعد بھی لکھتے رہے اور نئے افسانہ نگار اس قافلے میں شامل ہوتے گئے۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد دونوں ملکوں کو نئے مسائل کا سامنا ہوا۔ فسادات، ہجرت، مہاجرین اور ان کی آباد کاری اور دوسرے مسائل افسانہ نگاروں کی توجہ کا مرکز بنے۔ پورے برصغیر کے ساتھ مشرقی پنجاب میں ہر طرف قتل و غارت گری اور سفاکانہ واقعات دیکھ کر ادیبوں کی روئیں چیخ اٹھیں ان کے احساس کی شدت تلخی ان کے افسانوں میں بھی نمایاں ہوئی۔ منٹو، بیدی، کرشن چندر اور احمد ندیم قاسمی نے فسادات پر موثر اور فنی

اعتبار سے مکمل کہانیاں لکھیں۔ ان میں منٹو کی ”موذیل“ اور ”ٹوبہ ٹیک سنگھ“ اور بیدی کی ”لاجوتی“ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے اثرات سے کرہ ارض پر جو بے چینی اور انتشار پیدا ہوا تھا وہ اب سامنے آرہا تھا اور اس نے ادیبوں کو بھی متاثر کیا۔ یوں فرد کی نفسیات کی حوالے سے قلم کاروں نے عصری شعور کے ساتھ اپنی تخلیقات میں رنگ بھرا۔ دیکھا جائے تو ”انگارے“ ہی نے اردو افسانے کو شعور کی رو یا آزاد تلازمے (اسٹریم آف کان شیس نیس) سے روشناس کیا۔ دوسری عالمگیر جنگ نے افسانے میں بین الاقوامیت پیدا کی اور افسانے میں عالمی اثرات کی قبولیت سے وجودیت (اگزیسٹنزم) کی فکری تحریک بھی راہ پانے لگی۔ تقسیم ہند کے بعد اردو ادب کو بہت سے قد آور افسانہ نگار میسر آئے۔ جن میں ممتاز مفتی، اشفاق احمد، آغا بابر، مرزا ادیب، رام لعل، رحمان مذنب، شفیق الرحمن، الطاف فاطمہ، ممتاز شریں، غلام عباس وغیرہ نے افسانے کی روایت کو آگے بڑھایا عصمت چغتائی کے بعد خواتین لکھنے والیوں میں ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، بانو قدسیہ اور فہمیدہ رؤف قابل ذکر ہیں۔

اشفاق احمد تک آتے آتے افسانہ نظریاتی سرحدوں کو پار کر کے اپنی نئی منزلوں کی طرف روانہ ہوا۔ ممتاز مفتی کے ہاں اگر نفسیاتی حوالے ملتے ہیں تو غلام عباس ممتاز شریں کے ہاں زندگی کے متنوع اور حقیقی موضوعات کی عکاسی ملتی ہے۔ اس دور کے افسانہ نگاروں میں اشفاق احمد ایسا نام ہے جس نے افسانے کا موضوع محبت اور اس کی کیفیات کو بنایا۔ اس کی محبت عام محبت نہیں بلکہ بڑی خاص گہری اور داخلی محبت ہے۔ جو مجاز سے سفر کرتے ہوئے حقیقت کی طرف مڑ جاتی ہے۔ اشفاق احمد کی محبت کے لاتعداد روپ ہیں جو لڑکے اور لڑکی تک محدود نہیں بلکہ اپنا وجود پھیلائے ہوئے وسیع کائنات میں پھیل جاتے ہیں۔ ان کے اکثر کردار محبت کے حوالے سے محرومیوں اور ایسے انتشار اور معاشرتی مسائل کا شکار ہیں۔ ان کے افسانوں کا ماحول بہت ہی عجیب و غریب ہے اس کے کردار بھی محبت کرنے کے بعد جدا ہو جاتے ہیں۔ کسی نے لکھا ہے کہ اشفاق احمد کے کردار محبت تو کرتے ہیں لیکن جدائی ان کا مقدر ہے۔ محبت کے موضوع کے ساتھ ساتھ جدید معاشی مسائل اور نفسیاتی موضوعات بھی اشفاق احمد کے ہاں ہمیں نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں رومان اور حقیقت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ یعنی ان پر پریم چند اور یلدرم دونوں کے اثرات موجود ہیں۔

اسی دور میں افسانہ نگاروں کی ایک نسل سامنے آئی اور ان میں رام لعل، انتظار حسین، اے حمید، جیلانی

بانو، واجدہ تبسم، اقبال متین، آمنہ ابوالحسن، غلام الثقلین، جوگندر پال، مسعود مفتی، شوکت صدیقی، جمیلہ ہاشمی اور رضیہ فصیح کے نام شامل ہیں۔ نئی نسل کے افسانہ نگاروں نے فارمولا بازی سے انحراف کیا اور اپنے لئے نئی راہیں تلاش کیں۔ اس کے بعد افسانے میں تبدیلی کی ایک اور لہر آئی اور خارجی احوال اور داخلی کیفیات کو علامتوں، استعاروں اور تمثیلی انداز میں پیش کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔

چھٹی دہائی میں یہ رجحان علامتی اور تجریدی افسانہ کی شکل میں نمایاں ہوا۔ انور سجاد، خالدہ حسین، سریندر پرکاش، رشید امجد اور بلراج کول نے تجرید اور علامت کے تجربے کئے۔ ۱۹۸۰ء سے موجودہ دور کے عرصے تک افسانہ مزید دو طبقوں میں بٹ گیا اب افسانہ میں پلاٹ، کردار یا کہانی کے رنگ میں کوئی واقعہ پیش کرنے یا وحدت تاثر کا خیال رکھنے والے قدیم کے خانے میں ڈال دیے گئے اور جدید افسانہ تمام روایتی پابندیوں اور فنی و تکنیکی باریکیوں سے آزاد ہو گیا۔

مغربی تحریکوں کے اثرات اپنی جگہ لیکن خود ایشیا اور بالخصوص برصغیر کے ماحول، سیاسی، معاشی اور نظریاتی گھٹن نے فرد پر جو اثرات مرتب کئے اسی فکر نے ہی افسانے کے ڈھانچے میں تغیر و تبدل کا کام کیا۔

وجودیت، لایعنیت اور تجریدیت کی تحریکات اور رجحانات میں علامت نگاری موضوع اور ہیئت دونوں کا بدل بن گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جدید ترین دور میں اردو افسانہ مروجہ خطوط اور اصولوں کو توڑ کر تجرباتی دور سے گزرنے لگا فکری لحاظ سے اس میں خوف، دہشت پسندی، اعصابی تشنج، مایوسی اور بے خوابی جگہ پانے لگی اور یوں افسانہ ایک نئے رخ سے آشنا ہوا۔

اس عدیم الفرستی کے دور میں انسانی ذہن کی نفسیاتی کشمکش اور عصر حاضر کی زندگی کے تضادات اور ان کے عوامل و محرکات کو جامعیت اور فنی حسن سے پیش کرنا نئے افسانے کی ایک بڑی خوبی ہے اور انہی نئے تجربوں نے یکسانیت اور روایتی تقلید سے بھی اردو افسانے کو بچا لیا۔

☆☆☆☆☆